بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ①
بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ
هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ②

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ③

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ⑤

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

ق! بہت بڑی شان والے اس قرآن کی قسم ہے۔[1] (۱)
بلکہ انہیں تعجب معلوم ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آیا تو کافروں نے کہا کہ یہ ایک عجیب چیز ہے۔[2] (۲)
کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے۔ پھر یہ واپسی دور (از عقل) ہے۔[3] (۳)
زمین جو کچھ ان میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس سب یاد رکھنے والی کتاب ہے۔[4] (۴)
بلکہ انہوں نے سچی بات کو جھوٹ کہا ہے جبکہ وہ ان کے پاس پہنچ چکی پس وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں۔[5] (۵)

---

(۱) اس کا جواب قسم محذوف ہے لَتُبْعَثُنَّ (تم ضرور قیامت والے دن اٹھائے جاؤ گے) بعض کہتے ہیں اس کا جواب مابعد کا مضمون کلام ہے جس میں نبوت اور معاد کا اثبات ہے۔ (فتح القدیر و ابن کثیر)

(۲) حالانکہ اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں ہے۔ ہر نبی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا جس میں اسے مبعوث کیا جاتا تھا۔ اسی حساب سے قریش مکہ کو ڈرانے کے لیے قریش ہی میں سے ایک شخص کو نبوت کے لیے چن لیا گیا۔

(۳) حالانکہ عقلی طور پر اس میں بھی کوئی استحالہ نہیں ہے۔ آگے اس کی کچھ وضاحت ہے۔

(۴) یعنی زمین انسان کے گوشت' ہڈی اور بال وغیرہ کو بوسیدہ کر کے کھا جاتی ہے یعنی اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے وہ نہ صرف ہمارے علم میں ہے بلکہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ اس لیے ان تمام اجزا کو جمع کر کے انہیں دوبارہ زندہ کر دینا ہمارے لیے قطعاً مشکل امر نہیں ہے۔

(۵) حَقٌّ (سچی بات) سے مراد قرآن' اسلام یا نبوت محمدیہ ہے' مفہوم سب کا ایک ہی ہے مَرِيجٌ کے معنی مختلط' مضطرب یا ملتبس کے ہیں۔ یعنی ایسا معاملہ جو ان پر مشتبہ ہو گیا ہے' جس سے وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں' کبھی اسے جادوگر کہتے ہیں' کبھی شاعر اور کبھی کاہن۔

أَفَلَمْ يَنظُرُوٓا۟ إِلَى ٱلسَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَٰهَا وَزَيَّنَّٰهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ ﴿٦﴾

کیاانہوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے[1] اور زینت دی ہے[2] اس میں کوئی شگاف نہیں۔[3] (۶)

وَٱلْأَرْضَ مَدَدْنَٰهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَٰسِىَ وَأَنۢبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيجٍ ﴿٧﴾

اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیئے ہیں اور اس میں ہم نے قسم قسم کی خوشنما چیزیں اگا دی ہیں۔[4] (۷)

تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ﴿٨﴾

تاکہ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے بینائی اور دانائی کا ذریعہ ہو۔[5] (۸)

وَنَزَّلْنَا مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً مُّبَٰرَكًا فَأَنۢبَتْنَا بِهِۦ جَنَّٰتٍ وَحَبَّ ٱلْحَصِيدِ ﴿٩﴾

اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے پیدا کیے۔[6] (۹)

وَٱلنَّخْلَ بَاسِقَٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ﴿١٠﴾

اور کھجوروں کے بلند و بالا درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔[7] (۱۰)

---

(۱) یعنی بغیر ستون کے، جن کا اسے کوئی سہارا ہو۔

(۲) یعنی ستاروں سے اسے مزین کیا۔

(۳) اسی طرح کوئی فرق و تفاوت بھی نہیں ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿ ٱلَّذِى خَلَقَ سَبْعَ سَمَٰوَٰتٍ طِبَاقًا ۖ مَّا تَرَىٰ فِى خَلْقِ ٱلرَّحْمَٰنِ مِن تَفَٰوُتٍ ۖ فَٱرْجِعِ ٱلْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ۞ ثُمَّ ٱرْجِعِ ٱلْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ ٱلْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ﴾ ـــــ الملك۔۳-۴

(۴) اور بعض نے زوج کے معنی جوڑا کیے ہیں۔ یعنی ہر قسم کی نباتات اور اشیا کو جوڑا جوڑا (نر اور مادہ) بنایا ہے۔ بَهِيجٍ کے معنی، خوش منظر، شاداب اور حسین۔

(۵) یعنی آسمان و زمین کی تخلیق اور دیگر اشیا کا مشاہدہ اور ان کی معرفت ہر اس شخص کے لیے بصیرت و دانائی اور عبرت و نصیحت کا باعث ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

(۶) کٹنے والے غلے سے مراد وہ کھیتیاں ہیں، جن سے گندم، مکئی، جوار، باجرہ، دالیں اور چاول وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور پھر ان کا ذخیرہ کرلیا جاتا ہے۔

(۷) بَاسِقَاتٍ کے معنی طِوَالًا شَاهِقَاتٍ، بلند و بالا طَلْعٌ کھجور کا وہ گدرا گدرا پھل، جو پہلے پہل نکلتا ہے۔ نَضِيدٌ کے معنی تہ بہ تہ۔ باغات میں کھجور کا پھل بھی آجاتا ہے۔ لیکن اسے الگ سے بطور خاص ذکر کیا، جس سے کھجور کی وہ اہمیت واضح ہے جو عرب میں اسے حاصل ہے۔

رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ ﴿١١﴾

بندوں کی روزی کے لیے اور ہم نے پانی سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا- اسی طرح (قبروں سے) نکلنا ہے-[1] (۱۱)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿١٢﴾

ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور رس والوں[2] نے اور ثمود نے- (۱۲)

وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾

اور عاد نے اور فرعون نے اور برادران لوط نے- (۱۳)

وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ
فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿١٤﴾

اور ایکہ[3] والوں نے اور تبع کی قوم[4] نے بھی تکذیب کی تھی- سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا[5] پس میرا وعدۂ عذاب ان پر صادق آگیا- (۱۴)

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾

کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے؟[6] بلکہ یہ

---

(۱) یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین کو زندہ اور شاداب کر دیتے ہیں' اسی طرح قیامت والے دن ہم قبروں سے انسانوں کو زندہ کر کے نکال لیں گے-

(۲) أَصْحَابُ الرَّسِّ کی تعیین میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے- امام ابن جریر طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے جس میں انہیں اصحاب اخدود قرار دیا گیا ہے' جس کا ذکر سورۂ بروج میں ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے ابن کثیر و فتح القدیر' سورۃ الفرقان آیت ۳۸)

(۳) أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ کے لیے دیکھئے سورۃ الشعراء' آیت ۱۷۶ کا حاشیہ-

(۴) قَوْمُ تُبَّعٍ کے لیے دیکھیے سورۃ الدخان' آیت ۳۷ کا حاشیہ-

(۵) یعنی ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا- اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے- گویا آپ ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ اپنی قوم کی طرف سے اپنی تکذیب پر غمگین نہ ہوں' اس لیے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے' آپ ﷺ سے پہلے انبیا علیہم السلام کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے یہی معاملہ کیا- دوسرے اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ پچھلی قوموں نے انبیا علیہم السلام کی تکذیب کی تو دیکھ لو ان کا کیا انجام ہوا؟ کیا تم بھی اپنے لیے یہی انجام پسند کرتے ہو؟ اگر یہ انجام پسند نہیں کرتے تو تکذیب کا راستہ چھوڑ دو اور پیغمبر ﷺ پر ایمان لے آؤ-

(۶) کہ قیامت والے دن دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل ہو گا- مطلب یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں تھا تو دوبارہ زندہ کرنا تو پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے- جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ﴾ (الروم' ۲۷) سورۂ یٰسین' آیت ۷۸-۷۹ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے- اور حدیث قدسی میں ہے- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ابن آدم یہ کہہ کر مجھے ایذا پہنچاتا ہے کہ اللہ مجھے ہرگز دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے جس طرح اس نے پہلی مرتبہ مجھے پیدا کیا- حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا' دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے" یعنی اگر مشکل ہے تو

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖۚ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝۱۶

لوگ نئی پیدائش کی طرف سے شک میں ہیں۔[1] (۱۵)

ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں[2] اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔[3] (۱۶)

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝۱۷

جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔(۱۷)

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝۱۸

(انسان) منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے۔[4] (۱۸)

پہلی مرتبہ پیدا کرنا نہ کہ دوسری مرتبہ (البخاری تفسیر سورۃ الإخلاص)

(۱) یعنی یہ اللہ کی قدرت کے منکر نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انہیں قیامت کے وقوع اور اس میں دوبارہ زندگی کے بارے میں ہی شک ہے۔

(۲) یعنی انسان جو کچھ چھپاتا اور دل میں مستور رکھتا ہے، وہ سب ہم جانتے ہیں۔ وسوسہ، دل میں گزرنے والے خیالات کو کہا جاتا ہے جس کا علم اس انسان کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ ان وسوسوں کو بھی جانتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے "اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل میں گزرنے والے خیالات کو معاف فرما دیا ہے یعنی ان پر گرفت نہیں فرمائے گا۔ جب تک وہ زبان سے ان کا اظہار یا ان پر عمل نہ کرے"۔ (البخاری، کتاب الأیمان باب إذا حنث ناسیا فی الأیمان مسلم، باب تجاوز اللہ عن حدیث النفس والخواطر بالقلب إذا لم تستقر)

(۳) وَرِيْدٌ، شہ رگ یا رگ جان کو کہا جاتا ہے جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ رگ حلق کے ایک کنارے سے انسان کے کندھے تک ہوتی ہے۔ اس قرب سے مراد قرب علمی ہے یعنی علم کے لحاظ سے ہم انسان کے بالکل بلکہ اتنے قریب ہیں کہ اس کے نفس کی باتوں کو بھی جانتے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ نَحْنُ سے مراد فرشتے ہیں۔ یعنی ہمارے فرشتے انسان کی رگ جان سے بھی قریب ہیں۔ کیونکہ انسان کے دائیں بائیں دو فرشتے ہر وقت موجود رہتے ہیں، وہ انسان کی ہر بات اور عمل کو نوٹ کرتے ہیں ﴿ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ ﴾ کے معنی ہیں يَأْخُذَانِ وَيُثْبِتَانِ۔ امام شوکانی نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ ہم انسان کے تمام احوال کو جانتے ہیں، بغیر اس کے کہ ہم ان فرشتوں کے محتاج ہوں جن کو ہم نے انسان کے اعمال و اقوال لکھنے کے لیے مقرر کیا ہے، یہ فرشتے تو ہم نے صرف اتمام حجت کے لیے مقرر کیے ہیں۔ دو فرشتوں سے مراد بعض کے نزدیک ایک نیکی اور دوسرا بدی لکھنے کے لیے۔ اور بعض کے نزدیک رات اور دن کے فرشتے مراد ہیں۔ رات کے دو فرشتے الگ اور دن کے دو فرشتے الگ (فتح القدیر)

(۴) رَقِيْبٌ، محافظ، نگران اور انسان کے قول اور عمل کا انتظار کرنے والا۔ عَتِيْدٌ حاضر اور تیار۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾

اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آپہنچی،[1] یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا۔[2] (۱۹)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾

اور صور پھونک دیا جائے گا۔ وعدۂ عذاب کا دن یہی ہے۔ (۲۰)

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾

اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک لانے والا ہوگا اور ایک گواہی دینے والا۔[3] (۲۱)

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ

فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾

یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔ (۲۲)

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾

اس کا ہم نشین (فرشتہ) کہے گا یہ حاضر ہے جو کہ میرے پاس تھا۔[4] (۲۳)

اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾

ڈال دو جہنم میں ہر کافر سرکش کو۔ (۲۴)

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ﴿۲۵﴾

جو نیک کام سے روکنے والا حد سے گزر جانے والا اور شک کرنے والا تھا۔ (۲۵)

الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾

جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنا لیا تھا پس اسے سخت عذاب میں ڈال دو۔[5] (۲۶)

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾

اس کا ہم نشین (شیطان) کہے گا اے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔[6] (۲۷)

---

(۱) دوسرے معنی اس کے ہیں، موت کی سختی حق کے ساتھ آئے گی، یعنی موت کے وقت، حق واضح اور ان وعدوں کی صداقت ظاہر ہو جاتی ہے جو قیامت اور جنت و دوزخ کے بارے میں انبیا علیہم السلام کرتے رہے ہیں۔

(۲) تَحِيْدُ، تَمِيْلُ عَنْهُ وَتَفِرُّ، تو اس موت سے بدکتا اور بھاگتا تھا۔

(۳) سَآئِقٌ (ہانکنے والا) اور شَهِيْدٌ (گواہ) کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام طبری کے نزدیک یہ دو فرشتے ہیں۔ ایک انسان کو محشر تک ہانک کر لانے والا اور دوسرا گواہی دینے والا۔

(۴) یعنی فرشتہ انسان کا سارا ریکارڈ سامنے رکھ دے گا اور کہے گا کہ یہ تیری فرد عمل ہے جو کہ میرے پاس تھی۔

(۵) اللہ تعالیٰ اس فرد عمل کی روشنی میں انصاف اور فیصلہ فرمائے گا۔ اَلْقِيَا سے الشَّدِيْدُ تک اللہ کا قول ہے۔

(۶) اس لیے اس نے فوراً میری بات مان لی، اگر یہ تیرا مخلص بندہ ہوتا تو میرے بہکاوے میں ہی نہ آتا یہاں قَرِيْنٌ

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾

حق تعالیٰ فرمائے گا بس میرے سامنے جھگڑے کی بات مت کرو میں تو پہلے ہی تمہاری طرف وعید (وعدۂ عذاب) بھیج چکا تھا۔[1] (۲۸)

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾

میرے ہاں بات بدلتی نہیں[2] اور نہ میں اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا ہوں۔[3] (۲۹)

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾

جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر چکی؟ وہ جواب دے گی کیا کچھ اور زیادہ بھی ہے؟[4] (۳۰)

(ساتھی) سے مراد شیطان ہے۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے ہم نشین شیطانوں کو کہے گا کہ یہاں موقف حساب یا عدالت انصاف میں لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے' میں نے تو پہلے ہی رسولوں اور کتابوں کے ذریعے سے ان وعیدوں سے تم کو آگاہ کر دیا تھا۔

(۲) یعنی جو وعدے میں نے کیے تھے' ان کے خلاف نہیں ہو گا بلکہ وہ ہر صورت میں پورے ہوں گے اور اسی اصول کے مطابق تمہارے لیے عذاب کا فیصلہ میری طرف سے ہوا ہے جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

(۳) کہ بغیر جرم کے جو انہوں نے نہ کیا ہو اور بغیر گناہ کے جس کا صدور ان سے نہ ہوا ہو' میں ان کو عذاب دے دوں؟ ظلام یہاں ظالم کے معنی میں ہے۔ یا محاورۃ بولا گیا ہے' جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اپنے غلاموں پر بڑا ظلم کرتا ہے' فلاں شخص بڑا ظالم ہے مقصد' مبالغے کا نہیں بلکہ صرف اس کی طرف سے ظلم کیے جانے کا اظہار ہوتا ہے۔ یا مقصود نفی میں مبالغہ ہے۔ یعنی میں بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴾ (الٓمٓ السجدۃ: ۱۳) "میں جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دوں گا"۔ اس وعدے کا جب ایفا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا فر جن وانس کو جہنم میں ڈال دے گا' تو جہنم سے پوچھے گا کہ تو بھر گئی ہے یا نہیں؟ وہ جواب دے گی' کیا کچھ اور بھی ہے؟ یعنی اگرچہ میں بھر گئی ہوں لیکن یا اللہ تیرے دشمنوں کے لیے میرے دامن میں اب بھی گنجائش ہے۔ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی یہ گفتگو اور جہنم کا جواب دینا' اللہ کی قدرت سے قطعاً بعید نہیں ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے "آگ میں لوگ ڈالے جائیں گے اور جہنم کہے گی: هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کیا کچھ اور بھی ہیں؟ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جہنم میں اپنا پیر رکھ دے گا' جس سے جہنم پکار اٹھے گی' "قَطْ قَطْ" یعنی بس' بس" (صحیح بخاری' تفسیر سورۂ ق) اور جنت کے بارے میں آتا ہے کہ جنت میں ابھی خالی جگہ باقی رہ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نئی مخلوق پیدا فرمائے گا جو وہاں آباد ہو گی۔

(صحیح مسلم کتاب الجنۃ' باب النار یدخلھا الجبارون والجنۃ یدخلھا الضعفاء)

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ﴿٣١﴾

اور جنت پرہیزگاروں کے لیے بالکل قریب کر دی جائے گی ذرا بھی دور نہ ہو گی۔[1] (۳۱)

هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ﴿٣٢﴾

یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا اور پابندی کرنے والا ہو۔[2] (۳۲)

مَّنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ﴿٣٣﴾

جو رحمٰن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو۔[3] (۳۳)

ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۖ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ﴿٣٤﴾

تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔ (۳۴)

لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿٣٥﴾

یہ وہاں جو چاہیں انہیں ملے گا (بلکہ) ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔[4] (۳۵)

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُم بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِن مَّحِيصٍ ﴿٣٦﴾

اور ان سے پہلے بھی ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے طاقت میں بہت زیادہ تھیں وہ شہروں میں ڈھونڈتے ہی[5] رہ گئے' کہ کوئی بھاگنے کا ٹھکانا

---

(۱) اور بعض نے کہا ہے کہ قیامت' جس روز جنت قریب کر دی جائے گی' دور نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لامحالہ واقع ہو کر رہے گی اور كُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ اور جو بھی آنے والی چیز ہے' وہ قریب ہی ہے دور نہیں۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی اہل ایمان جب جنت کا اور اس کی نعمتوں کا قریب سے مشاہدہ کریں گے تو کہا جائے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ ہر اواب اور حفیظ سے کیا گیا تھا۔ اواب' بہت رجوع کرنے والا' یعنی اللہ کی طرف۔ کثرت سے توبہ و استغفار اور تسبیح و ذکر الٰہی کرنے والا۔ خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑانے والا اور ہر مجلس میں استغفار کرنے والا۔ حفیظ' اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان سے توبہ کرنے والا' یا اللہ کے حقوق اور اس کی نعمتوں کو یاد رکھنے والا یا اللہ کے اوامر و نواہی کو یاد رکھنے والا (فتح القدیر)

(۳) مُنِيبٍ' اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کا اطاعت گزار دل۔ یا بمعنی سَلِيمٍ' شرک و معصیت کی نجاستوں سے پاک دل۔

(۴) اس سے مراد رب تعالیٰ کا دیدار ہے جو اہل جنت کو نصیب ہو گا' جیسا کہ ﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ﴾ (یونس' ۲۶) کی تفسیر میں گزرا۔

(۵) ﴿فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ﴾ (شہروں میں چلے پھرے) کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان اہل مکہ سے زیادہ تجارت و کاروبار کے لیے مختلف شہروں میں پھرتے تھے۔ لیکن ہمارا عذاب آیا تو انہیں کہیں پناہ اور راہ فرار نہیں ملی۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾

ہے۔؟(۳۶)
اس میں ہر صاحب دل کے لیے عبرت ہے اور اس کے لیے جو دل[1] سے متوجہ ہو کر کان لگائے[2] اور وہ حاضر ہو۔[3] (۳۷)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ ﴿٣٨﴾

یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کو (صرف) چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں۔ (۳۸)

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿٣٩﴾

پس یہ جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں اور اپنے رب کی تسبیح تعریف کے ساتھ بیان کریں سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج غروب ہونے سے پہلے بھی۔[4] (۳۹)

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ﴿٤٠﴾

اور رات کے کسی وقت بھی تسبیح کریں[5] اور نماز کے بعد بھی۔[6] (۴۰)

---

(۱) یعنی دل بیدار، جو غور و فکر کر کے حقائق کا ادراک کرلے۔
(۲) یعنی توجہ سے وہ وحی الٰہی سنے جس میں گزشتہ امتوں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔
(۳) یعنی قلب اور دماغ کے لحاظ سے حاضر ہو۔ اس لیے کہ جو بات کو ہی نہ سمجھے، وہ موجود ہوتے ہوئے بھی ایسے ہے جیسے نہیں ہے۔
(۴) یعنی صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرو یا عصر اور فجر کی نماز پڑھنے کی تاکید ہے۔
(۵) "مِنْ" تبعیض کے لیے ہے۔ یعنی رات کے کچھ حصے میں بھی اللہ کی تسبیح کریں یا رات کی نماز (تہجد) پڑھیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ ﴾ (سورۃ بنی إسرائیل۔ ۷۹) "رات کو اٹھ کر نماز تہجد پڑھیں جو آپ کے لیے مزید ثواب کا باعث ہے" بعض کہتے ہیں کہ معراج سے قبل مسلمانوں کے لیے صرف فجر اور عصر کی نماز اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تہجد کی نماز بھی فرض تھی۔ معراج کے موقعے پر پانچ نمازیں فرض کر دی گئیں۔ (ابن کثیر)
(۶) یعنی اللہ کی تسبیح کریں۔ بعض نے اس سے وہ تسبیحات مراد لی ہیں، جن کے پڑھنے کی تاکید نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نمازوں کے بعد فرمائی ہے۔ مثلاً ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللهِ ۔ ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور ۳۴ مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وغیرہ (البخاری، کتاب الأذان، باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔ کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوٰۃ۔ مسلم، کتاب المساجد باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ وبیان صفتہ) مگر یہ تسبیحات اس سورت کے نزول کے

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾

اور سن رکھیں [۱] کہ جس دن ایک پکارنے [۲] والا قریب ہی کی جگہ سے پکارے گا۔ [۳] (۴۱)

يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾

جس روز اس تند و تیز چیخ کو یقین کے ساتھ سن لیں گے، یہ دن ہو گا نکلنے کا۔ [۴] (۴۲)

اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾

ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں [۵] اور ہماری ہی طرف لوٹ پھر کر آنا ہے۔ [۶] (۴۳)

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾

جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے [۷] (نکل پڑیں گے) یہ جمع کر لینا ہم پر بہت ہی آسان ہے۔ (۴۴)

بہت عرصہ بعد بتائی گئی تھیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اُدبار السجود سے مراد مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں۔

(۱) یعنی قیامت کے جو احوال وحی کے ذریعے سے بیان کیے جا رہے، انہیں توجہ سے سنیں۔

(۲) یہ پکارنے والا اسرافیل فرشتہ ہو گا یا جبرائیل اور یہ نداوہ ہو گی جس سے لوگ میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے۔ یعنی نفخۂ ثانیہ۔

(۳) اس سے بعض نے صخرۂ بیت المقدس مراد لیا ہے، کہتے ہیں یہ آسمان کے قریب ترین جگہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص یہ آواز اس طرح سنے گا، جیسے اس کے قریب سے ہی آواز آ رہی ہے۔ (فتح القدیر) اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔

(۴) یعنی یہ چیخ یعنی نفخۂ قیامت یقیناً ہو گا جس میں یہ دنیا میں شک کرتے تھے۔ اور یہی دن قبروں سے زندہ ہو کر نکلنے کا ہو گا۔

(۵) یعنی دنیا میں موت سے ہمکنار کرنا اور آخرت میں زندہ کر دینا، یہ ہمارا ہی کام ہے، اس میں کوئی ہمارا شریک نہیں ہے۔

(۶) وہاں ہم ہر شخص کو اس کے عملوں کے مطابق جزا دیں گے۔

(۷) یعنی اس آواز دینے والے کی طرف دوڑیں گے۔ جس نے آواز دی ہو گی۔ مُسْرِعِيْنَ إِلَى الْمُنَادِي الَّذِي نَادَاهُمْ (فتح القدیر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے زندہ ہو کر نکلنے والا میں ہوں گا أَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الأَرْضُ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا صلی اللہ علیہ وسلم علی جمیع الخلائق)

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں،[1] تو آپ قرآن کے ذریعہ انہیں سمجھاتے رہیں جو میرے وعید (ڈراوے کے وعدوں) سے ڈرتے ہیں۔[2] (۴۵)

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ

سورۂ ذاریات مکی ہے اور اس میں ساٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾

قسم ہے بکھیرنے والیوں کی اڑا کر۔[3] (۱)

فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾

پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو۔[4] (۲)

فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿۳﴾

پھر چلنے والیاں نرمی سے۔[5] (۳)

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾

پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں۔[6] (۴)

---

(۱) یعنی آپ ﷺ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بلکہ آپ ﷺ کا کام صرف تبلیغ و دعوت ہے، وہ کرتے رہیں۔

(۲) یعنی آپ ﷺ کی دعوت و تذکیر سے وہی نصیحت حاصل کرے گا جو اللہ سے اور اس کی وعیدوں سے ڈرتا اور اس کے وعدوں پر یقین رکھتا ہو گا۔ اسی لیے حضرت قتادہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَّخَافُ وَعِيْدَكَ، وَيَرْجُوْ مَوْعُوْدَكَ، يَابَارُّ يَارَحِيْمُ» "اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے کر جو تیری وعیدوں سے ڈرتے اور تیرے وعدوں کی امید رکھتے ہیں۔ اے احسان کرنے والے رحم فرمانے والے"۔

(۳) اس سے مراد ہوائیں ہیں جو مٹی کو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔

(۴) وِقْرٌ، ہر وہ بوجھ جسے کوئی جاندار لے کر چلے، حاملات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اٹھائے ہوئے ہیں، یا پھر وہ بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوتے ہیں جیسے چوپائے، حمل کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

(۵) جَارِيَاتٌ، پانی میں چلنے والی کشتیاں، يُسْرًا آسانی سے۔

(۶) مُقَسِّمَاتٌ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کاموں کو تقسیم کر لیتے ہیں۔ کوئی رحمت کا فرشتہ ہے تو کوئی عذاب کا، کوئی پانی کا ہے تو کوئی سختی (یعنی قحط سالی وغیرہ) کا، کوئی ہواؤں کا فرشتہ ہے تو کوئی موت اور حوادث کا۔ بعض نے ان سب سے صرف ہوائیں مراد لی ہیں اور ان سب کو ہواؤں کی صفت بنایا ہے، جیسے فاضل مترجم نے بھی اسی